رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
ششماہی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ہفتہ وار

مملکت

ایڈیٹر:- سید حسن الدین
مینجنگ ایڈیٹر:- سید عابد حسین

قیمت فی پرچہ (۲ر)

قیمت پرانہ پرچہ (۴ر)

جلد (۹) | ۷ مہر ۱۳۵۸ف | ۱۱ شوال ۱۳۶۸ھ روز یکشنبہ | ۷ اگست ۱۹۴۹ء | نمبر (۱۷)

رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
ششماہی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

سیاسیات میں اخلاقی اقدار کا فقدان

از
وی، ایم، ترکنڈے

کیا سیاسیات کو اخلاقی احساس کی اساس پر مبنی کیا جا سکتا ہے؟ کیا سیاسیات ہمیشہ اقتدار اور عہدے کے حصول کا ذریعہ بنی رہے گی؟ یہ سوالات آج کل ہمارے ملک کی سیاسیات میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ پہلے سے زیادہ آج یہ بات محسوس کی جا رہی ہے کہ سیاسی اور معاشی مسائل سے زیادہ یہ بنیادی سوالات بہت اہم ہیں۔ تجربے سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ جو لوگ گزشتہ انتخابات میں کامیاب ہوئے تھے انھوں نے عوام کی خدمت سے زیادہ اپنے ذاتی مفاد کو پیش نظر رکھا۔ بنگال اور مدراس میں بار بار وزارتوں کی تبدیلی، ہر صوبہ میں کانگریسی تنظیم کے اندر اختلافات، کانگریسی لیڈروں کے اقرباء کے نام پرمٹوں کی اجرائی یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے لیڈروں پر سماج کی فلاح و بہبود سے زیادہ شخصی نفع اندوزی کا جذبہ غالب ہے۔ حکومت کی مشینری میں ایک ابتری پیدا ہو گئی ہے اور اس کے نتیجے کے طور پر ہر سمت سے حکومت پر نکتہ چینی کی جا رہی ہے۔ اب تو اس ابتری کے خلاف چوٹی کے کانگریسی لیڈر بھی تنقید کر رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ مسئلہ کس طرح حل کیا جا سکتا ہے؟

ایک عرصہ سے نظم و نسق میں ابتری پیدا ہو رہی تھی اور پبلک زندگی کا ہر شعبہ بد سے بدتر ہو رہا تھا لیکن کانگریس ہائی کمانڈ اس وقت چونکا جبکہ بمبئی اور کلکتہ کے ضمنی انتخابات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کانگریس کے اقتدار کو دھکا پہنچ رہا ہے۔ اس وقت تک کانگریسی لیڈر اپنے کارناموں کو اچھالنے میں مصروف تھے۔ شہری آزادیوں کو دبانا، فوجی طاقت میں اضافہ، ریاستوں کا انضمام، صوبہ واری خود مختاری کی نفی یہ ایسی چیزیں تھیں جن سے اقتدار کانگریسی لیڈروں کے ہاتھ میں مرکوز ہو جاتا تھا۔ ناقدین مطمئن تھے اور نظم و نسق کی ابتری کے تذکرہ کو شرارت اور مخالفت سمجھتے تھے۔ لیکن کلکتہ کے ضمنی انتخابات کے بعد یہ نقطۂ نظر بدل گیا۔ ظاہر ہے کہ کانگریس ہائی کمانڈ اس ابتری کو دور کرنے کے لئے جو تدابیر سوچ رہا ہے وہ پبلک کی بے چینی کا نتیجہ ہے۔

ایک اندیشہ یہ پیدا ہو رہا ہے کہ اس ابتری کو دور کرنے کے لئے موجودہ حکمران زیادہ سے زیادہ اقتدار حاصل کریں گے۔ چنانچہ ابھی حال میں ایک کانگریسی لیڈر نے کہا ہے کہ ضرورت ایک ایسے ڈکٹیٹر کی ہے جو کانگریس سے تمام خرابیوں کو دور کر کے آہنی پنجہ کے ساتھ نظم و ضبط پیدا کرے۔ ایک دوسرے حلقے سے یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ جماعتیں حکومت میں شریک ہو کر کانگریس سے اشتراک عمل کریں۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ کوئی حزب اختلاف باقی نہ رہے۔ ایک تیسرا مشورہ بعض صوبہ داروں نے یہ دیا ہے کہ صوبہ واری حکومتوں کا قیام ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے، صوبہ واری خود مختاری ناکام ثابت ہو گئی ہے اس لئے ملک میں وحدانی طرز کی حکومت ہونی چاہئیے اور سارے اختیارات مرکز کو حاصل رہنے چاہئیں۔

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظم و نسق کی خرابیوں کو دور کرنے کی مہم جس فضاء میں شروع کی جا رہی ہے اور جو لوگ اس کو شروع کر رہے ہیں اس کا نتیجہ آمرانہ حکومت کی صورت میں نمودار ہوگا۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ پبلک کی بے چینی سے فائدہ اٹھا کر کہیں جمہوریت ہی کو ختم نہ کر دیا جائے۔ عصر جدید کی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جہاں نظم و نسق کی خرابی (اا)بیج چھوٹے چھوٹے جھگڑے عوام کو جمہوریت کے بجائے آمریت کا خیر مقدم کرنے کی طرف مائل کرتے رہے۔ ہندوستان کے حالات بھی کچھ اسی قسم کے نہیں۔ آج ساری خرابیوں کی وجہ صرف ایک ہے — اقتداری سیاسیات۔ اور اقتداری سیاسیات اس لئے ممکن ہو گئی کہ جو لوگ برسر حکومت ہیں وہ عوام کی جہالت اور لاعلمی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ سیاسی جماعتیں اقتدار کے لئے جد و جہد کرتی ہیں ان کی نیت کتنی ہی اچھی ہو وہ اقتدار کی جد و جہد میں اخلاقی اقدار کو نظر انداز کر دیتی ہیں۔ جو لوگ ہوس اقتدار سے پاک رہتے ہیں وہ اس جد و جہد اور کشمکش سے اپنے آپ کو الگ رکھتے ہیں۔ اور جیسی سیاسی

۴۸۶
۴۹۷

مملکت

۷ مہر ۱۳۵۸ ف

شذرات

دکن کرانیکل کی صاف بیانی

معاصر دکن کرانیکل نے اپنے اداریہ مورخہ ۳۰ جولائی میں نوآبادکاری کے مسئلہ سے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُن کا ترجمہ حسب ذیل ہے :۔

حکومت نے اکثریتی فرقہ کے افراد کی نوآبادکاری کے لئے جو رقم جاری کی ہے اس سے حکومت کے خزانہ پر بار نہیں پڑیگا کیونکہ یہ ایک قرضہ ہے جو بالاقساط وصول ہو جائیگا لیکن مسلم فرقہ کی نوآبادکاری کے لئے جو رقم صرف کی گئی وہ بالکل ایک عطیہ ہے۔ مسلم فرقہ کی امداد کے علاوہ پچاس ہزار روپے ان "مہاجرین" (مہاجرین) کے ٹکٹ فراہم کرنے کے لئے صرف کئے گئے جو پولیس کارروائی سے قبل حیدرآباد لائے گئے تھے۔ ہمیں یقین ہے کہ جو روپیہ ہندؤں پر صرف کیا گیا وہ واپس ہو جائیگا لیکن مسلمانوں پر جو روپیہ صرف ہوا وہ واپس نہیں ہو سکتا۔ ہمیں خبر نہیں نوآبادکاری کا بار سرکاری خزانہ پر کب تک پڑتا رہے گا ہم سمجھتے ہیں کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہر فرقہ اپنا بار آپ برداشت کرے۔ اب خانگی اداروں کو یہ کام اپنے ہاتھ میں لینا چاہیئے مسلمانوں میں جو مصیبت زدہ ہیں ان سے کہنا چاہیئے کہ وہ اتحاد المسلمین کے فنڈ سے استفادہ کریں جس کی مقدار کئی لاکھ ہے۔ ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ یہ فنڈ کس کے فائدہ کے لئے محفوظ رکھا گیا ہے۔ ہم قارئین سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں پر اس فنڈ سے روپیہ صرف کرنے کا اس سے بہتر کوئی موقع ہے ؟

ہم مطمئن ہیں کہ معاصر دکن کرانیکل نے مذکورۂ بالا اداریہ میں ہندو قوم کے حقیقی جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ ان حالات میں ہم حکومت کو یہی مشورہ دیں گے کہ وہ اکثریت کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے مسلمانوں پر روپیہ "ضائع" کرنا بند کردے۔ اور بدنصیب مسلمانوں کی دیکھ بھال، امداد یا باز آبادکاری کا کام اسی قوم پر چھوڑ دے۔ جب تک مسلمانوں سے صاف و صریح الفاظ میں کہہ نہ دیا جائے کہ ان کی قوم کے بدنصیبوں کی ذمہ داری انہی کے سر ہے تب تک اس قوم کے متمول اشخاص بیدار اور آمادۂ عمل نہ ہوں گے۔

اس مہم کو تشفی بخش طریقہ پر سر کرنے کی واحد اور موثر صورت یہی ہے کہ مسلمانوں کے وہ جملہ ادارے جو رفاہی کام کرتے ہیں مثلاً انجمن اسلامیہ، انجمن خادم المسلمین، انیس الغربا، اور اس قبیل کے دیگر رفاہی ادارے ایک مرکزی مجلس کے تحت لائے جائیں جس میں حکومت کے بھی چند نمائندے اس غرض سے شامل کئے جائیں کہ حکومت کو اس بات کی طمانیت حاصل رہے کہ یہ مجلس صرف رفاہی، تعلیمی اور اصلاحی کام کر رہی ہے۔ اگر حکومت حیدرآباد ازراہ کرم مسلم اوقاف کی رقم نیز مسلمانوں کی ان جاگیرات اور معاشوں کا معاوضہ جو لاوارث ہونے کی وجہ سے خزینۂ خالصہ ہو گئی ہیں اس مرکزی مجلس کے تصرف میں دے دے تو غریب مسلمانوں کی تعلیمی، اخلاقی اور معاشی اصلاح کا کام انجام پا سکتا ہے۔ حکومت حیدرآباد نے ۱۷ ستمبر ۴۸ء کے بعد سے مسلمانوں پر جو روپیہ "ضائع" کیا ہے اس کو معاف کر دے تو یہ اس کا کرم ہوگا ورنہ ہم اس تجویز کی تائید کرنے بھی آمادہ ہیں کہ حیدرآباد میں بسنے والے مسلمانوں سے یہ رقم بطور ٹیکس کے بالاقساط اور بہ سہولت واپس لی جائے۔ اس تجویز کی تائید پر ہم نے اس لئے آمادگی ظاہر کی ہے کہ ہمارے ہندو بھائیوں کے جذبات کا صحیح معنوں میں احترام ہو سکے اور اُن کا غصہ کم ہو جائے۔

ہم مسلمانوں کے اکابر اور رہنماؤں سے عرض کریں گے کہ وہ آپس کا اختلاف اور باہمی رقابتوں کو یکسر بھول کر ایک مرکز پر صرف معاشی اور تعلیمی اصلاح کے لئے جمع ہو جائیں اور بلند حوصلگی کے ساتھ قوم کے نونہالوں، خاص کر بیواؤں، یتیموں، اور ناقابل کار بیروزگاروں کی اخلاقی اور مادی امداد کرکے انھیں اس قابل بنائیں کہ وہ اپنے پیر پر آپ کھڑے ہو سکیں۔ ہم اپنے موقر معاصر دکن کرانیکل کی صاف گوئی کے ممنون ہیں۔

صبر و سکون سے کام لو

ہم پنڈت رام، لکشمن راؤ صاحب اور ان کے کئی لاکھ ہم خیالوں کو مبارکباد دیتے ہیں کہ حکومت حیدرآباد نے ان کے دیرینہ احتجاج کا لحاظ کرتے ہوئے مساجد کے آگے باجہ نوازی پر جو بندش عائد تھی اس کو برخاست کر دیا۔ مسلمان بھائیوں سے ہم یہ عرض کریں گے کہ وہ مساجد کے روبرو باجہ نوازی پر ہرگز مشتعل نہ ہوں بلکہ باجہ نوازی کے باوجود صبر و سکون کے ساتھ اپنی عبادت میں مشغول رہیں۔ اگر ہمارے ہندو بھائی کسی مقام پر مساجد کے آگے باجہ نوازی سے احتراز کریں تو مسلمانوں کو ان ہندو بھائیوں کا مشکور رہنا چاہیئے۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو شکایت کا موقع نہیں۔ البتہ اگر حکومت حیدرآباد اُن مساجد، درگاہوں، خانقاہوں، اور عاشور خانوں کو جو مندروں میں تبدیل کر دیے گئے ہیں یا جنہیں ہمارے ہندو بھائیوں نے اپنے قبضہ میں لے لیا ہے مسلمانوں کو واپس دلادے تو مسلمانان دکن حکومت کی اس عالی حوصلگی پر مشکور ہوں گے اگر ایسا نہ ہو سکے تو شکوہ، و شکایت بے سود ہے۔

یہ ہے صحیح رجحان

ہمیں یہ معلوم کر کے ایک گونہ اطمینان ہوا کہ مسلمانان دکن نے گزشتہ

عید کے موقع پر خرید و فروخت اور دوسری فضول خرچیوں سے بڑی حد تک احتراز کیا۔ مسلمانوں میں اس احساس کا پیدا ہونا کہ وہ روپیہ اُس وقت تک صرف نہیں کریں گے جب تک کہ صرفہ ناگزیر نہ ہو جائے ایک فال نیک ہے۔ ہم نے اس سے قبل عرض کیا تھا کہ مسلمانوں کو صرف ا موزوں پر روپیہ صرف کرنا چاہئے سیدھی سادی لیکن صحت بخش غذا، سادہ لباس، بچوں کی تعلیم، اور روز مرہ کی باقی دیگر مدات پر روپیہ صرف کرنا موجودہ حالات کے پیش نظر ایک سنگین جرم متصور ہونا چاہئے۔ ہمارا خیال ہے کہ کم از کم نوے فی صد گھرانے ایسے ہوں گے جو مزید دو سال تک نیا کپڑا خریدے بغیر کام چلا سکتے ہیں۔ غذا کے علاوہ صحت اور تعلیم ہی ایسے مدات رہ جاتے ہیں جن پر حسب ضرورت روپیہ صرف کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

بیروزگار مسلمانوں کو عزت و وقار کے غلط تصورات سے ہٹ کر ہر اُس پیشہ کو اختیار کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے جو شریفانہ ہو اور جو انہیں بھیک مانگنے سے بچا سکے۔ ہم نے اس سے قبل یہ بھی عرض کیا تھا کہ مسلمان بجز ناگزیر صورتوں کے اپنی جائداد یا زیور فروخت کرنے سے احتراز کریں کیونکہ ان کی موجودہ پریشانیوں سے فائدہ اُٹھا کر خریدار مال کی پوری قیمت دینے پر آمادہ نہیں ہیں۔ اس ضمن میں حکومت نے جائداد کی منتقلی پر ایک جدید ٹیکس عائد کر کے مسلمانوں کو جائداد فروخت کرنے سے باز رکھا ہے۔ مسلم تاجرین اور جرائد کو چاہئے کہ وہ تعلیم و تنظیم کے ذریعہ عامۃ المسلمین کو خرید و فروخت اور اسراف سے روکیں۔ لفظ اسراف کا اطلاق اب بہت وسیع ہو گیا ہے۔ ہم ہر اُس صرفہ کو اسراف میں داخل سمجھتے ہیں جو ناگزیر نہ ہو۔ یہ صحیح ہے کہ بعض گھرانے اب بھی اپنے اندر وہ احساس پیدا نہ کر سکے جو قوم کی موجودہ زبوں حالی کا عین تقاضہ ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ حالات بہت جلد ان کی آنکھیں کھول دیں گے۔

برطانیہ کا معاشی بحران

ایک خبر رساں ایجنسی کا کہنا ہے کہ برطانیہ ایک سیاسی اور معاشی بحران سے دوچار ہے۔ اس کی اقتصادی حالت بہت خراب ہے اور ان مشکلات سے بچ کر نکل جانا اس کے لئے مشکل ہے۔ ہٹلر کو شکست دینے کے لئے برطانیہ کو ایک عظیم قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے۔ امریکی سپاہی چونکہ اغیار کی سرزمین پر مصروف جنگ تھے اس لئے ان کا ملک اس تباہی و بربادی سے محفوظ تھا۔ جنگ ختم ہو گئی جرمنی اور جاپان شکست کھا گئے برطانیہ کی افواج نے فتح پائی مگر برطانیہ اس قابل نہ رہا کہ وہ بغیر مدد کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔ اس کی نوآبادیات میں آزادی اور انقلاب کے نعرے گونجنے لگے اسے مجبوراً ہندو پاکستان کو خیرباد کہنا پڑا۔ یورپ کا بہت بڑا حصہ روس کے حلقہ اثر میں چلا گیا۔ امریکہ بھی اگر یورپ کی طرف رجوع نہ کرتا تو اسے خود سیاسی اور معاشی بحران سے دوچار ہونا پڑتا۔ امریکہ کے ڈالر حرکت میں آ گئے۔ امریکہ کی فاضل چیزیں ان ممالک کو ملنے لگے اور اس کے عوض میں امریکہ نے ان ممالک سے ان کی خارجی حکمت عملی خرید لی۔ امریکی فلموں پر جب درآمد محصول بڑھایا گیا تھا تو ہالی وڈ کے فلسازوں نے اتنا شور و غوغا بلند کیا تھا کہ حکومت برطانیہ کو اپنے اس فیصلہ پر نظر ثانی کرنا پڑی تھی۔ برطانیہ کا یہ معاشی بحران خطرناک بھی ہے اور تشویش انگیز بھی۔ برطانیہ ہمارا مقروض ہے۔ ہمیں برطانیہ سے بہت کچھ لینا ہے اور ہمارے اس قرض دار نے ہمارے ساتھ آج تک جو سلوک روا رکھا ہے وہ شرمناک بھی ہے اور قابل مذمت بھی۔ پاکستان پر برطانیہ نے طرح طرح کا دباؤ ڈالا اور یہاں کے عوام اس راز سے اچھی طرح واقف ہیں کہ برطانوی ارباب اقتدار نے ان سے یہ نازیبا سلوک کیوں روا رکھا۔ عوام نے چونکہ خود عظیم مشکلات کا سامنا کیا ہے اس لئے انھیں ہر ایسی قوم سے ہمدردی ہے جو ایک بحرانی دور سے گزر رہی ہے پاکستان برطانیہ پر اچھی طرح واضح کر دینا چاہتا ہے کہ اپنے ملک کی ترقی، اپنے عوام کی خوش حالی اور اپنی آزادی ہیں ان کے مقاصد سے زیادہ عزیز اور پیاری ہے وہ ایسے کون سے نیک کام میں مصروف ہے کہ ہم خود نقصان برداشت کر کے اس کو اس قابل کر دے۔ برطانوی سامراج دم توڑ رہا ہے۔ برطانیہ کی ناؤ بھنور میں چکرا رہی ہے برطانیہ سے پاکستان کی وابستگی عوام کے لئے سودمند نہیں۔ برطانیہ کا معاشی بحران امن عالم کے لئے بھی خطرناک ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملک اپنے آپ کو ڈیرا استبداد کے پنجے سے چھڑانے کے لئے ایسی جد و جہد کرے گا جو دنیا کے امن کے لئے موت کا پیغام ہوگی۔

نئے دستور میں عوام شہری آزادیوں سے محروم

پٹنہ یکم اگست۔ مسٹر جے پرکاش نارائن قائد سوشلسٹ پارٹی نے یہاں بیان کیا کہ عوام کی شہری آزادیوں کی خاطر ممکن ہے کہ سوشلسٹ پارٹی صوبہ بہار میں ستیاگرہ شروع کر دے۔ شہری آزادیوں کا سوال کوئی نظری یا جماعتی نہیں ہے جب کہ یہ ایک ایسا بنیادی سوال ہے جو عوام کی موت و حیات پر اثر انداز ہوتا ہے ایک اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے مسٹر جے پرکاش نارائن نے سارے ملک میں عموماً اور خصوصاً صوبہ بہار میں شہری آزادیوں کے سوال پر بالتفصیل بحث کی۔ اور کہا کہ شہری آزادیوں کے بغیر آزادی کا مفہوم بے معنی ہو جاتا ہے۔ یہ سوال اتنی بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اس کی خاطر عوام کو اپنا سر بھی کٹوا دینے میں دریغ نہ کرنا چاہئے۔ انھوں نے کہا کہ یہ پروپگنڈہ کانگریس کی جانب سے کیا جا رہا ہے کہ ایک قومی حکومت کے ہوتے ہوئے شہری آزادیوں کا سوال پیدا نہیں ہوتا آگے چل کر مسٹر نارائن نے کہا کہ عوام کو چاہئے کہ اس پروپگنڈہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں تاکہ ملک میں فاسسٹیت ترقی نہ کر جائے۔ اور تمام تعلیم یافتہ طبقات کو بھی چاہئے کہ اس پروپگنڈہ کی مدافعت میں متحدہ کوشش کریں۔ ایک ایسے ملک میں تو اس کی شدید ضرورت ہے۔ جہاں کے عوام جاہل ہیں اور شہری آزادیوں کا مطلب سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ سوشلسٹ قائد نے کہا کہ ہمارے ملک کا جو دستور بن رہا ہے اس میں بھی عوام کو شہری آزادیوں کی طمانیت نہیں دی گئی ہے اور نہ یہ حیرت ہے کہ پنڈت نہرو جیسے آدمی نے اس کو کس طرح مان لیا۔ اس کے علاوہ عوام کی شہری آزادیوں کے ختم ہو جانے کا خطرہ آج کل اور بڑھ گیا ہے۔ کیونکہ مجلس دستور ساز میں جس اکثریت آرائی کے ساتھ جو کچھ منظور کر لے گی اسے نہایت ہی غیر معمولی حالات کے سوائے بدلا نہ جا سکے گا۔

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

بلا تنقید:-

کہا جاتا ہے کہ غنڈوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ سوامی جی فرماتے ہیں کہ انسانیت کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ یہ ایک خوش کن بات ہے۔ اس کا ان سماج دشمن عناصر کی قلب ماہیت پر اثر انداز ہونا لازمی ہے جو امن و امان کی فضا مکدر کرتے ہیں اور جن کی ایک تعداد افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کانگریس میں داخل ہے۔ (رہنمائے دکن)

مسجدوں کے آگے باجہ نوازی سے متعلق معاصر "رہنمائے دکن" تحریر کرتا ہے کہ:-

اہل ملک کے لئے یہ خبر مسرت افزا ہے کہ رہنمایانِ کے فطری حقوق پر جو قیود باجہ نوازی کے تعلق سے عائد تھے ان کو موجودہ حکومت نے منسوخ فرما دیا ہے۔

ہماری رائے ہے کہ اگر عبادت کے وقت مسجد کے آگے باجہ نوازی پر تو مسلمانوں کو چاہئے کہ عبادت ملتوی کر دیں تاکہ اکثریت کے فطری حق میں مداخلت نہ ہو۔

قاضی عبدالغفار صاحب اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ:

چند سال ایک اخبار نویس کی حیثیت سے حیدرآباد میں رہ کر میں حیدرآباد کے اندر و باہر سے خوبی واقف ہوں۔

اور حیدرآباد بھی آپ کے ظاہر و باطن سے اچھا واقف ہے کہ شاید مراد آباد بھی واقف نہ ہو۔ اگر تحصیلی کے خطوط اور مجنوں کی ڈائری کی طرح قاضی کی ڈائری بھی شائع کر دی جائے تو کیا مضائقہ ہے۔

اسی مضمون میں قاضی عبدالغفار صاحب نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ:-

حیدرآباد کے جاگیرداری نظام اور شخصی حکومت کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ عوام اور ان کے لیڈر ایک باغی ذہنیت میں مبتلا ہیں۔

اشتراکیت کا نعرہ لگاتے ہوئے قاضی صاحب درباریوں سے پس پردہ جو دوستی رکھتے تھے وہ حیدرآباد میں ایک کھلا ہوا راز ہے۔

قاضی عبدالغفار صاحب کو یہ بھی شکایت ہے کہ:-

اسٹیٹ کانگریس کے اکثر لیڈروں نے کبھی خلوص نیت کے ساتھ مسلمانوں کو اپنی طرف نہیں بلایا اور اس طرح مخلص قوم پرست مسلمانوں کے لئے دشواریاں پیدا ہوئیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منظور جنگ کی طرح قاضی صاحب بھی سیاسی یتیم ہیں۔

معاصر "مشیر دکن" نے مسٹر وینکٹ سوامی کا ایک مراسلہ شائع کیا ہے جس میں لال دروازہ کے ہنگامہ کے سلسلہ میں وہ تحریر کرتے ہیں کہ:-

دکن نیوز کا معیار صحافت اور انداز خبر رسانی جیسا کچھ رہا ہے اس سے اہل ملک بخوبی واقف ہیں۔

آج کل ہم صرف اس قدر جانتے ہیں کہ "دکن نیوز" سوامی رامانند تیرتھ کا منظور نظر ہے۔

حیدرآباد اسٹیٹ کانگریس کا ترجمان "نئی ندگی" اپنے ایک اداریہ میں تحریر کرتا ہے کہ اقتدار حاصل ہوتے ہی کانگریسیوں کی دنیا بدل گئی ہے۔ وہ منزلیں جو پہلے تھیں جنتا کی سیوا کے بجائے کانگریسی راتب بند اشیاء کے پرمٹ بٹورنے میں مشغول ہو گئے اور اپنے فرائض سے غافل ہو گئے۔

اس راز کو دانا کبھی کھولا نہیں کرتے

معتمد صاحب مجلس علمائے دکن نے بعد نماز عید اپنی تقریر میں فرمایا کہ:-

قابل صد تحسین ہے ریلیف کمیٹی مجلس مصیبت زدگان جس نے عید سے قبل سینکڑوں بیواؤں اور غریبوں میں پارچہ تقسیم کیا اور قابل مبارکباد ہے ریلیف کمیٹی جس نے ایک بیوہ گھر قائم کر کے وقت کی اہم ضرورت کو پورا کیا۔

کام کر رہی ہے مولانا عبدالباسط صاحب کی ریلیف کمیٹی اور نام ہو رہا ہے مولانا انوار اللہ حسینی کی ریلیف کمیٹی کا۔

ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق!!

"دکن نیوز" کی اطلاع ہے کہ:-

سوامی رامانند تیرتھ کے قیام گاہ پر عید ملاپ کا جو اجتماع ہوا تھا اس میں ہندو زعماء مسلم زعماء کو عید کی مبارکباد دیتے ہوئے گلے مل رہے تھے مہمانوں کی فواکہات سے تواضع کی گئی۔

مبارکبادی اور فواکہات سے عوام محروم رہے۔ عید صرف لیڈروں نے منائی۔

دکن نیوز نے یہ بھی اطلاع دی ہے کہ عید ملاپ کے موقع پر مسٹر باقر علی مرزا نے بھی تقریر کی۔

معلوم نہیں دکن نیوز نے یہ خبر کیوں شائع نہیں کرائی کہ مسٹر باقر علی مرزا نے نماز عید کئی ہزار مسلم عوام کے ساتھ عیدگاہ میں ادا کی۔

میں اس مقدس عید کے موقع پر مسلمانوں سے یہی کہنا چاہتا ہوں کہ وہ ماضی کو فراموش کر دیں (سوامی رامانند تیرتھ)

ماضی کو فراموش کرنا کون نہیں چاہتا مگر دکن کرانیکل ہر روز ماضی کو یاد دلاتا رہتا ہے۔ اگر سوامی جی دکن کرانیکل کو مخاطب فرمائیں تو مستقبل کے لئے ٹھیک ہوگا۔

ہوائی جہاز کے ذریعہ سونچی۔ ورنگل شیں نقاہت مودھی پر وصول ہوں (اخباری سرخی)

کیا ہوائی جہاز کے ذریعہ سونچی بھیجنے کو

ترکی میں مذہب کا احیاء

ایک سیاح کے قلم سے

دوسری عالمگیر جنگ نے ایشیا کے تمام ممالک واقوام پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ لیکن غالباً ترکی کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے ترکی کو دوسری جنگ عالمگیر سے قبل اپنی سیاسی وحدت اور معاشی سالمیت پر بجا ناز تھا، اتاترک مصطفےٰ کمال کے کارناموں کی گونج فضا میں برقرار تھی اور ترک سمجھتے تھے کہ انھوں نے اپنی صدیوں کی آزادی کا تحفظ کرکے تاریخ کا کوئی غیر معمولی کارنامہ انجام دیا ہے۔ ترکوں کا یہ خیال بجا تھا کیونکہ صدیوں سے ترکی کو یورپ والے مرد بیمار کہتے تھے اور یورپ میں عام خیال یہ تھا کہ ترکی چند دنوں کا مہمان ہے ۱۹۱۸ء میں جب جرمنی کی شکست کے بعد ترکی اپنی تاریخ کے تاریک ترین دور سے گذر رہا تھا۔ لائڈ جارج نے اعلان کیا تھا کہ

ترکوں کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے اس کا شمار مجرمین جنگ میں ہے ناعاقبت اندیشی ترکوں کو ان کی جلد بازی کی سزا دیجائیگی۔

لائڈ جارج ان الفاظ کے بعد ترکی کیلئے فلاح وبہبود کی تمام امیدیں ختم ہوگئیں تھیں۔ مگر ایک معجزہ رونما ہوا۔ اور ترکی نے مصطفےٰ کمال اعظم کی قیادت میں اپنی آزادی اور وقار کو حیرت انگیز طور پر بچا لیا۔ دس برس تک ترک اسی نشے میں سرشار رہے۔ ترکی مدبرین کا خیال تھا کہ ان کی ساری کمزوریوں اور ناکامیوں کا سبب ان کی مذہبیت اور دقیانوسیت ہے۔ یہ بات اس قدر صحیح تھی کہ یورپ نے ترکوں پر تمام مظالم صرف اس لئے کئے تھے کہ وہ غیر یورپی اور غیر مسیحی تھے۔ ان کو جاہل کہا جاتا تھا۔ ان کی کمزوریوں کا مذاق اڑایا جاتا تھا اور ترکی قومیت۔ تہذیب اور سماج کو عجیب عجیب رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا تھا ترکوں کو فرنگی طاقتوں کے مقابلے میں پے در پے جو ناکامیاں ہوئی تھیں۔ انھوں نے ان کے اندر احساس فروتری پیدا کر دیا تھا چنانچہ کوئی تعجب نہیں ہے اگر ایک مرتبہ ترکوں نے مغربیت اور فرنگ زدگی کو مذہب سمجھ کر اختیار کرلیا انھوں نے اعلان کیا کہ اسلام سرکاری مذہب نہیں ہے۔ اور یہ کہ ترکی قومیت کی محرک قوت صرف تورانیت اور ترکی قومیت ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں مغربی تعلیم کی عام اشاعت لباس واطوار میں یورپ کی تقلید لاطینی رسم الخط کا اجراء۔ مذہب وسیاست کا افتراق ترک حجاب اور اسلامی فقہ کے بجائے عدالتوں میں یورپ کے قوانین۔ دیوانی اور ضابطہ فوجداری کا نفاذ۔　یہ تمام باتیں اس سرعت کے ساتھ ظہور پذیر ہوئیں۔ کہ ایسا محسوس ہوا ترک صدیوں سے اس انقلاب کے منتظر تھے۔

- - - - - - - - - - - - -

ترکوں نے اپنا جسم بدل لیا مگر وہ اپنی روح کو نہ بدل سکے۔ وہ روح جو ایک ہزار سال تک اسلام کے تربیت کئے ہوئے ضمیر و وجدان سے سیراب ہوچکی ہے میں سب سے پہلی مرتبہ ۱۹۳۶ء میں استانبول گیا تھا۔ اس وقت مغربیت کی رو پورے جڑ پر تھی۔ مگر اس کے باوجود میں نے انگریزی ہیٹ کوٹ کے نیچے ایک ایسا دل دھڑکتے ہوئے دیکھا جو مسلمان تھا میں بارہ برس کے بعد پھر استانبول گیا میرا یہ سفر خالص تجارتی تھا ایک ہندوستانی نے مجھے اپنا تجارتی گماشتہ بنا کر بھیجا تھا۔ ان بارہ برس میں ترکوں کا ذہن اور سوچنے سمجھنے کا ڈھنگ قریب قریب بدل چکا ہے ۱۹۳۶ء میں وہ اپنے کو ایشیائی کہتے ہوئے شرماتے تھے مگر اب نہ صرف وہ اپنے کو ایشیائی کہتے تھے بلکہ روزنامہ جمہوریت کے الفاظ میں:-

ایشیا کی تمام مسلمان قوموں میں یہ فخر صرف ترکوں کو حاصل رہا ہے کہ انھوں نے یورپ کے مقابلے میں چار سو برس تک اسلام کا پرچم بلند رکھا۔ صرف اس لئے کہ آیا صوفیہ مسجد بنی رہے۔ ہم نے اپنے بے شمار نسلوں کو قربان کردیا۔ آج بھی ترک اسلام کے ناموس کے سچے محافظ اور حقیقی نگہبان ہیں

عصمت انونو ایک مذہبی انسان ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ترکی قومیت اپنے اسلامی رنگ کے ساتھ ابھرے۔ ترکی میں عرصہ سے مذہبی مدارس بند تھے۔ اور دینی تعلیم کی حوصلہ شکنی کی جاتی تھی لیکن میرے سامنے ہی یہ تحریک زور شور سے چل پڑی تھی کہ ائمہ مساجد اور خطباء وفقہاء کی تعلیم کے لئے سرکاری نگرانی میں دینی مدارس قائم کئے جائیں اور اسلامی تقاریب کا احیاء کیا جائے۔ نئی ترکی میں آج مکمل ذہنی اور روحانی انقلاب کے آثار ہویدا ہیں۔ مغربیت کا جو گہرا رنگ ترکوں پر چڑھ گیا وہ لمحہ بہ لمحہ اترتا جا رہا ہے۔ یورپی تہذیب کے تفوق کو چیلنج کیا جا رہا ہے۔ قرآن مجید کے اسرار و غوامض کے فہم و تدبر پر توجہ دی جا رہی ہے اور عام مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ ترکی حکومت ایشیائی اور اسلامی ممالک کی نسبت اپنی خارجی حکمت عملی کی وضاحت کرے۔ وطن نے لکھا ہے کہ:-

ہمیں ریاست ہائے بلقان کے اتحاد اور اس قسم کی دوسری تحریکوں سے قطعی بے تعلق اور سرد مہری برتنی چاہیئے اور یورپ کی طرف سے موڑ کر ایشیا کی طرف رخ کرنا چاہیئے ترک ایک ممتاز ایشیائی قوم سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ مسلمان ہیں انھیں اسلامی ممالک سے مل کر مضبوط سیاسی و معاشی بلاک بنانا چاہئے۔

مشہور ترک جرنلسٹ نور الدین آرفیلو کے الفاظ ہیں۔

پاکستان کی مجلس دستور ساز کے صدر مولوی تمیز الدین خاں نے اخبارات کو ایک بیان دیا ہے جس میں انھوں نے کہا ہے کہ۔ پاکستان میں ترکی کی نسبت کافی مخالفانہ پروپاگنڈہ ہوا ہے۔ اور ہندوستان و پاکستان کے مسلم پریس کو اس سلسلہ میں کافی شکایات ہیں کیا یہ صحیح ہے کہ ترکی مذہب سے دستبردار ہوگیا ہے۔ کیا آج کے ترکی میں مذہب کے خلاف کوئی پروپاگنڈہ ہو رہا ہے! مسٹر تمیز الدین خاں نے ان سوالات کا جواب دیا ہے اور کہا ہے کہ پاکستان میں ترکی کے خلاف جو کچھ پروپاگنڈہ ہوا ہے وہ اپنا اثر زائل کر رہا ہے۔

اس کے بعد نور الدین آرفیلو نے ترکی کو متنبہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکی کو ایشیائی اقوام کے ساتھ اپنے تعلقات کے سلسلے میں کن چیزوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ یہ ایک

(باقی ... پر)

یونیورسٹی سے لوٹتے ہوئے

(ایک پروفیسر کے قلم)

ہماری زندگی میں سیاست اس قدر چھائی ہوئی ہے کہ وہ اطمینان و سکون کی زندگی جو ہمیں ایک جابر و ظالم بادشاہ کے عہد حکومت میں حاصل تھا اب مفقود ہو گیا ہے۔ الیکشنوں کی ضرورت اس قدر زیادہ اور جلد جلد ہو گئی ہے کہ ہمارے سماج میں ہر وقت ایک بحران کی سی کیفیت رہتی ہے ایک مستقل بخار کی سی حالت ہے کسی وقت کم ہو جاتا ہے کبھی وقت زیادہ ہو جاتا ہے۔ ہمارے اعصاب انفرادی اور اجتماعی دل و دماغ کے لئے گویا ایک زلزلہ ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہمارے سیاسی لٹریچر میں ہمارا سیاسی فلسفہ ابھی کسی ایسے حل پر نہیں پہونچا ہے کہ یہ مسائل تمام طے کر کے ایک متوازن شکل ہمیشہ کے لئے اختیار کریں اور اس طرح ایک ٹھہراؤ ہو جائے یہی وجہ ہے کہ ہماری سیاست کے فلسفہ میں روز نئے نقطہ نظر پیش ہوتے رہتے ہیں نئے نئے سیاسی خیالات ابھرتے رہتے ہیں جس سے ایک عجیب انتشار کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے اور جس نے ہماری زندگی کو بیکل اور اعصاب زدہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہماری زندگی محض سیاسی زندگی نہیں ہے سیاست ہماری زندگی کا ایک پہلو ہے اور اس میں شک نہیں کہ بہت اہم پہلو ہے لیکن سیاست ہی پوری زندگی نہیں۔ اس لئے سیاست کو ہماری زندگی پر اس قدر حاوی نہ ہونا چاہئے کہ ہمارے دوسرے تمام مسائل یا ہماری زندگی کے دوسرے گوشے دوسرے شعبے التوا میں پڑے رہیں۔

یہ صحیح ہے کہ جب تک کوئی بات حل نہ ہو انسانی دماغ پریشان رہتا ہے اور اس کا اثر اس کے تمام اعصاب پر ایک جنون کی سی صورت میں سوار رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ تمام سیاسی نظریے اور افکار ابھی تجربے کی منزل میں ہیں ابھی کسی ایسے مقام پر نہیں پہنچے ہیں جہاں پہنچ کر ہمارے دل و دماغ کو سکون ہو جائے اور وہ مسائل ہمیشہ کے لئے حل شدہ سمجھے جائیں نہ آسمانی قسم کی کوئی ایسے موجود ہیں جن میں یہ مسائل اپنی موجودہ پیچیدگیوں کے ساتھ مستقل طور پر حل ہو چکے ہوں اس لئے لامحالہ ہر چہار گوشہ دنیا میں انسان ایک عجیب سیاسی انتشار و ہیجان سے دوچار نظر آتا ہے۔ کس قدر الجھن کی بات ہے!

مگر یہ الجھن تو رہے گی جب تک دنیا کے مدبرین اور مفکرین یکجا طور پر اور ہمیشہ کے لئے ان سیاسی مسائل کو مستقل طور پر حل نہ کر لیں لیکن اس آخری منزل پر پہنچنے کے لئے ابھی بہت عرصہ نظر آتا ہے، کیونکہ آدمی کے لئے انفرادی طور پر کسی مستحکم نتیجہ پر پہونچنے کے لئے بڑا زمانہ درکار ہوتا ہے جس کے بہت سے اسباب ہوتے ہیں۔ لیکن کوشش ہر حال کرتے رہنا چاہئے۔

وہ حل چاہے جو کچھ ہو وہ آخری نتیجہ خواہ کسی صورت کا ہو لیکن ایک بات ضرور سامنے رکھنا پڑے گی اول تو یہ کہ ہماری زندگی میں سیاست کی اتنی اہمیت اور اس قدر زور و شور کہ جو اس صدی میں خصوصاً نمایاں رہا ہے کم کرنا پڑے گا۔ ہماری روزمرہ کی زندگی سکون اور اطمینان چاہتی ہے کیونکہ صحیح تمدنی، علمی اور سماجی ترقیوں کے لئے سکون اور بے انتشاری بھی بہت لازمی چیز۔ بغیر بے انتشاری کے کسی قسم کی ترقی ممکن نہیں ہے اس لئے یہ بحرانی اور ہیجانی کیفیت جو سیاسیات کی غیر متناسب زیادتی سے ہماری زندگی پر چھا گئی ہے یقینی اور قطعی طور پر دور کرنا ہوگی۔ اس سلسلہ میں ہمیں ایک بات سے بڑی مدد ملے گی اگر ہم اسے پیش نظر رکھیں اور یہ اختیار رکھنا چاہئے اگر ہم اس باب میں اعتدال چاہتے ہیں وہ یہ کہ ووٹ دہندگی کا حق آپ کو صرف ان بالغوں کو دینا ہوگا جو اپنی عمر کی ایسی منزل پر پہنچ گئے ہیں کہ ان کا دماغ اپنی شہری اور سیاسی ذمہ داریوں کو بخوبی سمجھنے اور صحیح طور پر محسوس کرنے لگا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کو علم النفس یعنی سائیکالوجی سے کام لینا پڑے گا۔ علم میں ابھی تک کوئی باقاعدہ طور پر ایسا تجربہ تو نہیں کیا گیا ہے اس لئے فی الحال ہمیں اپنے تجربے سے کوئی مدت عمر ووٹ دہندگان کی ایسی مقرر کرنا ہوگی جس پر ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا سیاسی شعور صحیح طور پر بالغ ہو جاتا ہے۔ ہمارا تجربہ ہمیں بتاتا ہے کہ آدمی جب تک عمر کی تیس چھتیس منزلیں طے نہیں کر لیتا اس میں سیاسی شعور اور سماجی ذمہ داریوں کا احساس پورے شباب پر نہیں پہنچتا یعنی وہ پچیس چھبیس سال کی عمر میں پورا شہری کہلایا جاسکتا ہے اور پختہ طور پر اپنی رائے رکھتا ہے کہ محض پروپیگنڈہ یا محض کسی قسم کی تحریص یا خوف اس کی رائے کو اپنی طرف مجبور نہیں کرسکتی اس لئے ہمیں ووٹ دہندگی کا حق صرف اسی فرد کو دینا چاہئے جو عمر کی اس حد کو پار کرچکا ہو۔ اس تعین عمر سے ووٹ دہندگان کی تعداد میں تو ضرور کمی آجائے گی (جس میں کوئی حرج نہیں ہے) لیکن یہ تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی جو صحیح طور پر سیاسی درک رکھتے ہیں۔ اب تک الیکشن میں حق ووٹ دہندگی صرف اس شخص کو دیا جا رہا ہے جو جسمانی طور پر بالغ ہو گیا ہو لیکن یہ طریقہ غلط ہے۔ انسان دماغی طور پر پچیس سال کی عمر میں بالغ ہوتا ہے اور اس کا سیاسی شعور پینتیس سال پر پہونچ کر صحیح بلوغ پاتا ہے۔ صرف ۳۰ یا ۳۵ سال کی عمر والوں کے لئے حق نمایندگی منحصر کردینے پر ہماری قومی مرضی تعدد کے بجائے تعقل، کثرت کے بجائے لیاقت پر مبنی ہو جائے گی اور یہی صحیح طریقہ ہے۔

دوسری بات جو عمر کے علاوہ اتنی ہی اہم ہے تعلیم ہے بغیر سیاسی یا سماجی یا کسی اعلیٰ قسم کی تعلیم کے ضروری نہیں ہے کہ محض عمر کی زیادتی کسی شخص میں صحیح طریقہ پر سوچنے اور سمجھنے کا شعور پیدا کر سکے اس لئے تعلیم کا عام ہونا اول تو لازمی ہے تاکہ قوم کے ہر بالغ شخص کو اپنی دماغی صلاحیتیں بروئے کار لانے کا موقع مل سکے اور پھر انہیں تعلیم یافتہ اشخاص میں سے ان افراد کو چن لیا جائے جو عمر کی ۳۰-۳۵ منزلیں طے کرچکے ہوں۔ بغیر تعلیم کے جمہوریت کا تخیل ہی فضول ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک تعلیم یافتہ شخص کی رائے سیکڑوں جاہلوں کو ریوڑ کے مقابلے میں زیادہ وقعت رکھے گی اس لئے ہمیں پہلے انتخابات میں تعلیم کی شرط رکھنا ضروری ہے۔ رائے طلب کرنے سے پہلے اہل الرائے بنانا ضروری ہے۔ رائے کا شمار اتنا ضروری نہیں جتنا کہ رائے کا ٹھیک ہونا۔

سیاسیات میں اخلاقی اقدار کا فقدان

(بقیہ سلسلہ صفحہ اول)

جماعت سے تعلق رکھنا نہیں چاہتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو پارٹی بھی برسرِ اقتدار آجائے وہ حالات کو بدل نہیں سکتی کیونکہ اقتدار کا نشہ اچھے لوگوں کے دماغ پھیر دیتا ہے، اور وہ اپنا اقتدار برقرار رکھنے کے لئے ملک کی فلاح و بہبود کو قربان کر دیتے ہیں۔ اس مسئلہ کا حل صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسے بے تعلق افراد جو ہوسِ اقتدار سے پاک ہوں مجالس مقننہ اور حکومت میں شامل کئے جائیں۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ہمارے ملک میں اب کچھ لوگ جماعتی سیاسیات کے نقصانات کو محسوس کر رہے ہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ یہ احساس عام ہو جائے۔ اس طریقہ سے صحیح جمہوریت کی ابتدا ہو سکتی ہے۔ جو لوگ موجودہ حالات سے غیر مطمئن ہیں ان کا فرض ہے کہ مجالس مقننہ میں ایسے افراد کو منتخب کریں جو اعلیٰ کردار کے حامل ہوں اور کسی سیاسی پارٹی سے تعلق نہ رکھتے ہوں۔ اس کام میں فوری کامیابی ممکن نہیں۔ اس کی ابتدا معمولی طریقہ سے ہوگی اور رفتہ رفتہ اس مقصد کی تکمیل ہو سکے گی۔

(ریڈیکل ہیومنسٹ)

ترکی میں مذہب کا احیاء

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۵)

امر یہ ہے کہ ہر مسلمان قوم دوسری مسلمان قوم کی صورتِ حال پر گہری نظر رکھتی ہے۔ اور تمام دنیائے اسلام ترکی کی خبروں کو دلچسپی کے ساتھ پڑھتی ہے۔ تمام مسلمان اقوام میں ترکی کو ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ مسلمان اس ملک کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں کیونکہ صدیوں تک ترکوں نے سرکردہ مسلمان قوم کی حیثیت سے غیر معمولی کارنامے انجام دئے ہیں۔ اس کے ساتھ نورالدین نے ترکی وزارت خارجہ کی ایشیائی پالیسی پر کڑی نکتہ چینی کی ہے اور لکھا ہے کہ سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ ہم پر مغربی بننے کا بھوت سوار ہے اور ہم بھول جاتے ہیں کہ ہم سب سے پہلے ایشیائی اور مسلمان ہیں۔ نورالدین اور دوسرے ترکی صحافیوں نے ترکی حکومت کو مشورہ دیا ہے کہ وہ پاکستان کے ساتھ گہرے سیاسی و تمدنی تعلقات قائم کرے جو سب سے بڑی اسلامی طاقت بن جانے والا ہے۔ یہ اس موقع پر خالی از دلچسپی نہ ہوگا اگر مسٹر رابرٹ بیگبو کے اس مضمون کے اقتباسات پیش کئے جائیں اور انھوں نے "ڈیلی میل" لندن کے کالموں پر "ترکی میں مذہبیت کے احیاء" کے عنوان سے لکھا ہے۔ مسٹر رابرٹ بیگبو رقمطراز ہیں:

جب ۲۵ سال پہلے ترکی میں ایک غیر مذہبی جمہوریت قائم ہوئی اس وقت سے مذہبیت بہت دب گئی تھی۔ آج پھر عوام کی طرف سے مذہبیت کے احیاء کا مطالبہ ہو رہا ہے، اور حکومت کے تین حالیہ فیصلوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس سے متاثر ہو رہی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا گیا ہے کہ پرائمری اسکولوں میں دینی تعلیم از سرِ نو جاری کر دی گئی ہے۔ ۱۹۲۴ء میں خلافت کا سقوط عمل میں آیا تھا۔ تمام سرکاری اور غیر سرکاری اسکولوں میں مذہبی تعلیم کی سختی سے ممانعت کر دی گئی تھی۔ اس کے بعد سے یہ پہلا موقع ہے کہ ترکی میں والدین کو اجازت مل گئی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو مذہبی تعلیم دلائیں۔ ہر طالب علم کے لئے دینی نصاب کی تعلیم لازمی قرار نہیں دی جائے گی۔ دینی تعلیم دلانا والدین کے صوابدید پر منحصر ہوگا۔ تاہم ۲۵ سال کے لمبے عرصہ کے بعد دینی تعلیم کے اس احیاء کو بعض حلقوں میں پرانی روایات کے تازہ کرنے کی طرف ایک بہترین اقدام سے تعبیر کیا گیا ہے اور بعض حلقوں کے نزدیک یہ اس امر کا اعتراف ہے کہ غیر مذہبی بلاغات کے باوجود مذہب کو فراموش نہیں کیا گیا چنانچہ اناطولیہ میں اب بھی جب عوام ایک دوسرے کی مزاج پرسی کرتے ہیں تو جواب میں یہی کہتے ہیں۔ "الحمدللہ میں مسلمان ہوں" اس ضمن میں دوسرا اقدام یہ کیا گیا ہے کہ حکومت نے بڑے بڑے شہروں میں ایسے خاص سرکاری اسکول قائم کرنے کی تجویز منظور کر لی ہے، جہاں امام اور خطیب تیار کئے جائیں گے۔ یاد رہے کہ ۱۹۲۴ء کے مذہبی لوگوں کے خلاف احکامات کی سب سے پہلی زد انہی علماء اور مشائخ کی جماعت پر پڑی تھی۔

اس بارے میں تیسرا اقدام یہ کیا گیا ہے کہ حکومت نے ایک دینی اسکول کے از سرِ نو اجراء کو اصولاً تسلیم کر لیا ہے۔ اس اسکول میں دینی علوم کے ماہر تیار کئے جائیں گے۔ ۱۹۳۳ء میں استنبول میں دینی علوم کی فیکلٹی کو اس وجہ بند کر دیا گیا تھا کہ طلباء کی تعداد مشکل سے بیس تھی اور انھیں تعلیم دینے کے لئے باقاعدہ تربیت یافتہ اساتذہ کی شدید کمی تھی۔ مذہبیت کے احیاء کی اس تحریک کے سب سے بڑے علمبردار عبداللہ صوفی ہیں۔ آپ بخارسٹ میں ترکی کے سفیر اور پارلیمنٹ کے سرگرم رکن رہے ہیں۔ موصوف کا خیال ہے کہ ان اصلاحات کے باوجود جو ملک سے مذہبیت کو دور کرنے کے لئے لائی گئی تھیں۔ عوام الناس کی زندگی بنیادی طور پر مذہبی رہی ہے۔ چنانچہ مسجدیں برابر آباد رہی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ پچیس سال کے تجربہ کے بعد ترکی کے حکمران طبقے یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ مذہبیت کا احیاء اگر کسی اور غرض سے نہیں تو عمرانی مقاصد کیلئے یقیناً ضروری ہے۔

بچے فالج میں مبتلا ہو رہے ہیں

حیدرآباد ۲۳ مہر۔ حیدرآباد میں چند بچے "انفینٹائل پولیو مائی لائٹس" یعنی بچوں کی فالج میں مبتلا ہوئے ہیں۔ عوام یہ جانتے ہیں کہ یہ مرض شہر بمبئی میں وبائی شکل میں پھیلا ہوا ہے اور ممکن ہے کہ یہ وہیں سے حیدرآباد پہنچا ہو۔ یہ بیماری ہیضے، پلیگ اور دوسری زہریلی متعدی بیماریوں کی طرح نہیں پھیلتی ہے۔ اس لئے عوام کے لئے اس اندیشہ کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ بیماری بلدہ حیدرآباد میں شدت سے پھوٹ پڑے گی۔ لیکن بہر حال بعض احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے۔ بدقسمتی سے اس بیماری سے بچاؤ کرنے والا ٹیکہ معلوم نہیں کیا گیا ہے۔ اس لئے اس سے بچاؤ کی نہایت اہم اور واحد تدبیر یہی ہے کہ مریض کو گھر میں دوسروں سے بالکل الگ یا امراض متعدی کے دواخانہ میں رکھا جائے۔

اس بیماری میں بچے زیادہ مبتلا ہوتے ہیں اور اس میں شروع ہی سے مناسب علاج کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ غفلت برتنے کی صورت میں بعض میں فالج کے اثرات مستقل طور پر رہ جاتے ہیں۔

اگر کوئی بچہ اس بیماری میں مبتلا ہو جائے تو اس کی اطلاع فوراً محکمہ صحت کے میڈیکل افسر کو دی جانی چاہئے۔ موصوف ایسے بچوں کو علیحدہ رکھنے کے لئے اور جن بچوں کے سرپرست خانگی طور پر علاج نہ کرا سکتے ہوں ان کے علاج کے لئے بھی ضروری انتظامات کریں گے۔ (اطلاعات)

قانون نگرانی کرایہ مکان

سکندرآباد اور اورنگ آباد کی چھاؤنیوں کے علاقوں کے لئے فوجی گورنر بہادر نے قانون نگرانی کرایہ مکان کے نفاذ کی منظوری عطا فرمائی۔ یہ قانون فی الفور نافذ ہوگا جس کی رو سے "مناسب کرایہ" متعین کنندہ افسر صاحب مقرر کریں گے۔ مالک مکان نہ تو متعینہ رقم سے زیادہ کرایہ کا مطالبہ کر سکے گا اور نہ ہی کرایہ دار کو بے دخل کر سکے گا۔

اعلان

(۱) محکمہ نظامت راشن بندی واقع حمام باغ قریب بازار اور دفتر راشن بندی حلقہ (۵) ملک پیٹھ پر علی الترتیب دودھ گھروں کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ جہاں سے عمدہ قسم کا دودھ۔ دودھ کارڈ زیر حاملہ عورتوں اور شیرخوار بچوں کو (جن کی عمر دو سال تک ہو) بادائی قیمت فروخت کیا جائے گا۔ اس خصوص میں غیر مستطیع اور محنت کش عوام کو ترجیح دی جائے گی۔

(۲) فی کارڈ فی شیرخوار (بچہ) روزانہ نصف سیر ½ دودھ فی کارڈ فی حاملہ عورت روزانہ پاؤ سیر ¼ دودھ۔ (۳) دودھ بحساب فی روپیہ دو سیر فروخت کیا جائے گا۔ (۴) قریبی مراکز بہبودی اطفال یا متعلقہ وارڈ کی مشاورتی کمیٹی کی سفارش پر دودھ گھروں سے روزانہ ۱۲ تا ۴ ساعت دن دودھ کارڈز کی اجرائی عمل میں آئیگی۔ اس طرح غریب اور نادار اشخاص اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کم داموں پر سرکاری دودھ گھروں سے دودھ حاصل کر سکتے ہیں۔ (۵) عنقریب ایک دودھ گھر وانی بم سی ۱ ے نارائن گوڑہ پر بھی حسب صراحت صدر قائم کیا جائے گا نیز وارڈ نمبر ۶ موقعہ دودھ باولی اور وارڈ نمبر ۲ متصل نوبہ پر بھی دو اور دودھ گھروں کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔

(۶) بشمول تعطیلات روزانہ دودھ کی سربراہی ۶ تا ۸ ساعت صبح اور ۴ تا ۶ ساعت شام دودھ گھروں سے کی جائیگی۔

جامعہ عثمانیہ کی اکاڈمک کونسل

حیدرآباد۔ ۲۰ اگسٹ جامعہ عثمانیہ کی اکیڈمک کونسل کے جو اجلاس پچھلے دو دن سے ہو رہے تھے وہ آج سہ پہر میں اختتام کو پہنچے۔ ان نشستوں میں بعض نہایت ہی اہم فیصلے کئے گئے ہیں۔ سب سے اہم فیصلہ یہ ہے کہ ڈگری کے چار سالہ نصاب میں تلنگی، مرہٹی، کنڑی، اردو، ہندی اور تامل زبانوں کو لازمی طور پر شریک کیا گیا ہے اور جو طلبہ جدید زبانوں کے مقابلہ میں قدیم زبانوں کو پسند کریں ان کے لئے سنسکرت، عربی، یا فارسی کی تعلیم کے متبادل انتظامات بھی کئے گئے ہیں۔ اس فیصلے سے عوام کا دیرینہ مطالبہ پورا ہو جاتا ہے کہ جامعہ کے نصاب میں علاقہ داری زبانوں کو صرف اختیاری مضامین کی حیثیت سے شامل رکھنے کی بجائے انہیں لازمی طور پر شریک کیا جائے۔ اس کے علاوہ فنون کے طلبہ کے لئے سائنس کی تاریخ تمدن کا ایک پرچہ لازمی کر دیا گیا ہے تاکہ خصوصی مہارت کے ساتھ ساتھ ان توازن قائم رہے اور عام معلومات کے لئے ضروری پس منظر مہیا ہو۔ فنون کے مضامین کے نئے گروپ ترتیب دیئے گئے ہیں جن میں مضامین کے انتخاب میں طلبہ کو وسیع آزادی حاصل رہے گی اس کے ساتھ ہی ساتھ ہندی کے شعبہ کو جو نیا قائم ہوا ہے۔ ہندی زبان میں ایم۔ اے کی جماعتیں آغاز کرنے کا مجاز کر دیا گیا ہے اور اس کے نصاب کی منظوری بھی دی گئی ہے۔ جامعہ میں قیام لائبریری کمیٹی اور امتحانوں کی انتظامات سے متعلق نئے قواعد منظور کئے گئے ہیں۔ امتحانوں سے متعلق بورڈ سنسری کی نئے سرے سے تنظیم کرنی پڑے گی۔ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس میں داخلے کے قواعد پر بھی نظرثانی کی گئی ہے۔ آئندہ اس کے لئے کوئی مقابلہ کا امتحان نہیں ہوگا بلکہ اس کے بجائے بی۔ ایس۔ سی اور انٹرمیڈیٹ سائنس کے طلبہ کا مقررہ حد تک انتخاب کیا جائے گا جس میں اس بات کا لحاظ کیا جائے گا کہ انہوں نے اپنے امتحانات میں کس معیار پر کامیابی حاصل کی ہے۔ خانگی کالجوں کے الحاق سے متعلق جو قواعد اس سے پہلے منظور کئے گئے تھے ان میں ایک اہم ترمیم کی گئی ہے جس کی رو سے اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہے گی کہ الحاق کا خواہشمند کالج ایک لاکھ سے زائد مالیتی وقف پیش کرے اس سے پہلے کے منظورہ قواعد میں یہ شرط بھی رکھی گئی تھی کہ خانگی کالج کو یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ اس کے وقف سے اتنی آمدنی ہوتی ہے کہ اس کو ہر طالب علم پر عاید ہونے والے اتنے اخراجات پورے ہو سکتے ہیں جو سارجنٹ رپورٹ کی اساس پر مقرر کئے گئے ہیں اب اس معیار کو اسپکٹنگ کمیشن ایک معیار بنائے گا اور اس کی روشنی میں یہ رپورٹ پیش کرے گا کہ الحاق کا خواہشمند کالج کس حد تک اس کی تکمیل کرتا ہے۔ اکاڈمک کونسل نے واضح کے دوسرے اشخاص کو جو کونسل کے رکن نہیں ہیں، اس کی اجازت دی ہے کہ وہ کونسل کی کارروائیاں [illegible] نہیں۔ مباحثوں کے دوران میں جناب میر امیر جامعہ نے یہ اہم انکشاف کیا کہ یونیورسٹی کونسل اسنڈیکیٹ اور اکاڈمک کونسل کو وسیع تر اساس پر تشکیل دینے کے لئے قواعد تیار ہو چکے ہیں۔ (اطلاعات)

اعلان

اشیاء صادر کی فراہمی براے سنہ ۱۳۵۵ ف

(۱۹۴۵ء و ۱۹۴۶ء) کے لئے سربمہر ٹنڈر مطلوب ہیں جو ناظم سررشتہ اسٹیشنری کے ہاں دن کے ایک بجے تک یوم چہارشنبہ ۳۱ امرداد ۱۳۵۴ ف (۳ اگسٹ ۱۹۴۵ء) پہنچ جائیں ٹنڈر فارم سررشتہ طباعت و اسٹیشنری سے بادائی ایک روپیہ سکہ عثمانیہ حاصل کیا جا سکتا ہے جس کے حصول کی آخری تاریخ شنبہ ۲۰ مہر ۱۳۵۴ ف (۲۰ اگسٹ ۱۹۴۵ء) مقرر ہے۔

شرحدستخط

عبدالقیوم۔ ناظم اسٹیشنری حکومت حیدرآباد